سنتِ طیبہ اور علماء احناف کا استدلالی انداز

مفتی عبید الرحمٰن
مایار، مردان

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ حنفی کے بارے میں آج کل نہیں، بلکہ ایک طویل عرصہ سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا قرآن وسنت کے ساتھ کچھ زیادہ ربط وارتباط نہیں ہے۔ دیگر فقہی مذاہب کی بنسبت اس مذہب میں نصوص کے ساتھ اعتناء کم پایا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر تمام مذاہب میں سے یہی وہ مذہب ہے جو کتاب وحدیث کی تعلیمات سے بے بہرہ اور بہت دور ہے۔

اس سوال کے تقریباً تمام تر پہلوؤں پر علمی وتاریخی کام ہوا ہے جو اپنی جگہ قابلِ لحاظ اور لائقِ قدر واحترام ہے، تاہم یہاں اس بات کا ایک اور نقطۂ نظر سے جائزہ لینا مقصود ہے، یہ زاویۂ فکر ایسا ہے جس پر کسی مستقل علمی کام کا تلاش کے باوجود ہمیں کوئی علم نہیں ہوسکا، جبکہ بظاہر یہ پہلو نہایت اہمیت اور توجہ کا متقاضی معلوم ہوتا ہے۔ یہاں جس پہلو سے اس پر گفتگو کرنا مطلوب ہے، وہ یہ ہے کہ اصولی لحاظ سے اس بات کا منصفانہ علمی جائزہ لیا جائے، جس کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ حنفی اصولِ اخذ واستنباط اور ضوابطِ فقہ واستخراج کو لے کر دیگر مذاہب کے اصول وقواعد سے اس کا مقارنہ اور موازنہ کرلیا جائے۔

تاہم اس موازنہ ومقارنہ کا یہ مقصود ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ دیگر مذاہب یا ان کے عالی مقام اور گراں قدر ائمہ مجتہدین کی مساعی کو غلط، بے وقعت یا بے سود ثابت کیا جائے، یہ تو کھلی ہوئی گمراہی کی چوکھٹ ہے، جہاں سے قدم بڑھاتے ہی گمراہی کے تاریک مکان میں انسان داخل ہوجاتا ہے، بلکہ مطلوب صرف یہ دکھانا ہے کہ جس طرح دیگر مذاہب سے متعلق یہ الزام عائد کرنا بجا طور پر غلط تصور کیا جاتا ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے دور ہیں، اسی طرح مذہبِ حنفی کے متعلق یہ فردِ جرم عائد کرنا بے جا اور بالکل بے جا ہے، جس سے احتراز کرنا علمی، اخلاقی اور سیاسی ہر سطح پر ضروری ہے۔

یہاں نمونے کے طور پر دس اصول وضوابط کا جائزہ لیا جاتا ہے جس میں اصولیین احناف اور دیگر

اصولیین یا محدثین کے موقف کا جائزہ لیا جائے گا کہ ان میں سے کس ضابطے کے تحت زیادہ سے زیادہ احادیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ [(۱)]

پہلا ضابطہ: مراسیل حجت ہیں یا نہیں؟

حنفیہ اور محدثین کی مرسل کی تعریف وتحدید میں رائے مختلف ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک مرسل اسی کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی تابعی صحابیؓ کا واسطہ چھوڑ کر براہِ راست حضور ﷺ کی طرف حدیث منسوب کرکے بیان کرے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک مرسل میں جس طرح یہ صورت داخل ہے، یوں ہی اگر تابعی سے نچلے درجے کا راوی درمیان میں واسطہ چھوڑ دے، وہ بھی مرسل کے تحت داخل ہے۔ پھر مرسل حجت ہے یا نہیں؟ اس میں حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ قرونِ خیر کا مرسل قابلِ احتجاج ہے اور بعد کے ادوار میں ارسال کرنے والے کو دیکھا جائے، اگر وہ ثقہ ہو اور ثقہ ہی سے روایت کررہا ہو تو اس کی روایت قبول ہوگی، ورنہ نہیں۔ محدثین مجموعی طور پر مرسل کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھتے۔ بعض اس کو مختلف شرائط کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔

احادیث واخبار کے باب میں بلامبالغہ سیکڑوں روایات ایسی ہیں جو مرسل ہیں، بلکہ علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ایک تہائی روایات مراسیل کے تحت داخل ہیں۔ اب جب حنفیہ کے نزدیک مرسل حجت اور قابلِ عمل ہے، تو لامحالہ ان سب روایات پر عمل ہوجائے گا اور جن محدثین کے نزدیک مرسل حجت نہ ہو، وہ ان روایات پر عمل کرنے سے قاصر اور معذور ہی ہوں گے۔

دوسرا ضابطہ: زیادتِ ثقہ کا حکم

اگر کوئی راوی سند یا متنِ حدیث میں کوئی ایسی اضافی بات نقل کرے جو دیگر روایت کرنے والے راوی نقل نہ کرتے ہوں، تو آیا یہ زیادت قبول ہوگی یا نہیں؟ اس میں اصولیین اور بعض محدثین کا اختلاف ہے، حنفیہ کا اس سلسلہ میں موقف یہ ہے کہ:

الف: سند میں زیادت مضر نہیں ہے۔

ب: متن میں اگر کہیں کسی ثقہ راوی کی جانب سے کوئی زیادت نقل ہوجائے تو اگر یہ زیادت اصل روایت کے ساتھ بالکل منافات رکھتی ہو اور دونوں کو یکجا جمع کرنے کی کوئی صورت میسر نہ ہو تو اس صورت میں ترجیح کے ضوابط کی طرف جایا جائے گا اور ان ہی کی روشنی میں کسی ایک جانب کو ترجیح دے دی جائے گی۔

ج: اگر ایسا تعارض نہ ہو تو پھر اگر معلوم ہوجائے کہ دونوں جانب کی روایات میں ایک ہی مجلس کی بات نقل کی جارہی ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں بھی ترجیح دینے کی ضرورت ہے کہ ایک مجلس میں دونوں قسم کی باتوں

کا احتمال مغلوب ہے۔

د: اگر مجلس کے ایک ہونے کا علم نہ ہو تو اس کو بھی قبول کر دیا جائے گا۔

محدثین کے ہاں اس بارے میں متعدد آراء پائی جاتی ہیں کہ ثقہ راوی کی زیادت قبول ہوگی یا نہیں؟ جس کی تفصیل ''مصطلح الحدیث'' کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اب جن حضرات کے نزدیک زیادتِ ثقہ مطلقاً قبول نہیں ہے یا مشروط طور پر قبول ہو اور وہ شرائط درج بالا تفصیل کی بنسبت کم پائے جاتے ہیں، ان کے مقابلے میں احناف کے اصولِ حدیث کے مطابق زیادہ روایات پر عمل کی نوبت آجاتی ہے۔

تیسرا ضابطہ: مجہول راوی کی روایت کا حکم

محدثین کرام کے نزدیک حدیث کے قبول نہ کرنے کے متعدد اسباب میں سے ایک سبب راوی کی جہالت بھی ہے۔ راوی کی جہالت کا معیار و مدار کیا ہے؟ اس میں حنفیہ اور محدثین کی رائے مختلف ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جہالت میں راوی کی روایات کا اعتبار ہے، جس راوی سے ایک آدھ روایت ہی منقول ہو، وہ مجہول کہلاتا ہے، چاہے اس سے اخذ ونقل کرنے والے افراد زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ محدثین کے نزدیک اس کا معیار یہ ہے کہ اس سے روایت کرنے والے راوی کم ہوں، اگر ایک ہی راوی اس سے روایت کرتا ہے تو وہ مجہول العین ہوگا اور اگر اس سے زیادہ راوی نقل کرتے ہوں، لیکن اس کی عدالت وثقاہت معلوم نہ ہو تو وہ مستور کہلائے گا۔

پھر مجہول راوی کی روایت کا کیا حکم ہوگا؟ تو محدثین کرام کے نزدیک راوی کا مجہول ہونا اس کی روایت کے نامقبول ہونے کا باعث ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ قرونِ ثلاثہ میں اگر کوئی راوی مجہول ہو، لیکن سلف نے اس پر طعن نہ کیا ہو تو اس کی روایت قابلِ احتجاج ہے، اور اگر علماءِ سلف نے اس کی روایات میں کوئی جرح یا اختلاف کیا ہو، یا اس کی روایت اس زمانے میں بالکل ہی مشہور نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں بھی اس کی روایت بالکل رد نہ ہوگی، بلکہ قیاس کے موافق ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور قرونِ ثلاثہ کے بعد چونکہ فسق وکذب عام ہونے لگا تھا، اس لیے اس کے بعد اگر مجہول راوی کی روایت قابلِ استدلال واحتجاج نہیں ہے۔

اس ضابطہ کے مطابق وہ تمام روایات، جن میں مجاہیل راوی موجود ہوں اور ان کا تعلق قرونِ ثلاثہ سے ہو (جیسا کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے)، داخل ہو جاتے ہیں اور حنفیہ کے ضابطے کے مطابق وہ قابلِ احتجاج ثابت ہو جاتے ہیں، جبکہ دیگر محدثین کرام کے ہاں ایسی تمام روایات ناقابلِ قبول بن جاتی ہیں۔

چوتھا ضابطہ: قراءاتِ غیر متواترہ

شوافع وغیرہ بہت سے محدثین کا موقف یہ ہے کہ جو قراءت متواتر نہ ہو، وہ شرعاً حجت نہیں ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک ایسی تمام قراءات بھی حجت ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے اور ان سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں، شرط یہ ہے کہ وہ اسنادی طور پر ثابت ہو، گو خبر واحد کے طریق ہی پر کیوں نہ ہو۔

اس ضابطہ کی وجہ سے حنفیہ متعدد قراءات پر عمل کر لیتے ہیں، گو تواتر کے ساتھ ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو قرآن نہیں سمجھتے، جبکہ دیگر محدثین اس پر عمل نہیں کرتے۔

پانچواں ضابطہ: حدیث کی وجہ سے آیت کو منسوخ سمجھنا

اگر کوئی حدیث متواتر کا قرآن کریم کی کسی آیت سے تعارض پیدا ہو جائے اور نسخ کے بغیر اس تعارض کے حل کرنے کا کوئی طریق موجود نہ ہو، تو اس صورت میں جس طرح آیتِ کریمہ کی وجہ سے حدیث کو منسوخ قرار دیا جاسکتا ہے، یوں ہی حدیث کی وجہ سے آیتِ کریمہ کو بھی منسوخ قرار دیا جاسکتا ہے، ناسخ ومنسوخ کی علامات کو دیکھا جائے گا اور جہاں ناسخ ہونے کا کوئی قابلِ اعتماد قرینہ موجود ہو، اسی کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ سمجھا جائے گا۔ حاصل یہ ہے کہ آیتِ کریمہ سے محض تعارض قائم ہونے کی وجہ سے حدیث کو منسوخ سمجھنا درست نہیں ہے۔ یہ حنفیہ کا موقف ہے، جبکہ شوافع اور بہت سے محدثین کا مسلک یہ ہے کہ: حدیث کی وجہ سے آیت کو منسوخ سمجھنا درست نہیں ہے، اور جہاں کہیں ایسا تعارض دکھائی دے، وہاں بہر حال حدیث ہی کو رد کر دیا جائے گا۔

اس ضابطہ کی بنا پر بھی حنفیہ ایسے متعدد روایات پر عمل کر سکتے ہیں، جن کو دیگر ائمہ محدثین قابلِ اعتناء نہیں سمجھتے۔

چھٹا ضابطہ: قولِ صحابیؓ کی حجیت کا مسئلہ

اگر کسی صحابیؓ سے کوئی ایسا قول منقول ہو جس میں رائے واجتہاد کا دخل نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک ایسا قول بھی حجت ہے، جس سے شرعی احکام بھی ثابت ہو سکتے ہیں، اور اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ جب عقل وقیاس کا دخل نہیں ہے تو ضرور یہ حضور ﷺ سے ہی سنا ہوگا، اسی بنیاد پر فقہائے احناف اس کو ملحق بالسنۃ کہتے اور سمجھتے ہیں، جبکہ شوافع وغیرہ بہت سے محدثین کے نزدیک یہ حجت نہیں ہے۔

یہ ضابطہ بھی ایسا ہے جس کی بنا پر حنفیہ کو بیسیوں ایسی روایات پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے جن کو دیگر بہت سے محدثین ناقابلِ احتجاج گردانتے ہیں۔ (۲)

ساتواں ضابطہ: قواعدِ عامہ کی پابندی کرنا

اگر کوئی خبرِ واحد دین وشریعت کے عام قواعد اور ضوابط کے خلاف ہو تو حنفیہ کے نزدیک ایسی روایت قابلِ عمل نہیں ہوتی اور محض اس ایک خبر کی وجہ سے ان قواعد کو چھوڑنا درست نہیں ہوتا جو دسیوں نصوص سے مستنبط ومستفاد ہوتے ہیں۔ یہی وہ ضابطہ ہے جس کی وجہ سے فقہائے حنفیہ سمیت فقہاء ومجتہدین پر طعن وتنقید کے نیزے چھوڑے جاتے ہیں۔ علامہ البانی وغیرہ حضرات نے حنفیہ کو جن مسائل پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ حدیث کے خلاف ہیں، ان میں سے تقریباً چوتھائی یا تہائی ان روایات کی ہے جن کو حنفیہ نے اسی ضابطہ کے تحت قابلِ احتجاج نہیں گردانا۔

انصاف وعقل مندی سے کام لے کر غور کیا جائے تو اس ضابطہ کی وجہ سے فقہائے کرام کا احادیث وروایات پر عمل کرنا کم نہیں ہوتا، بلکہ زیادہ ثابت ہوتا ہے، اس ضابطہ کی پابندی کی وجہ سے ان پر یہ فردِ جرم عائد نہیں ہوتا کہ وہ محض رائے کی وجہ سے صحیح روایات واخبار کو رد کر دیتے ہیں، بلکہ زیادہ روایات پر عمل کرنے کی وجہ سے ان کو داد دینی چاہیے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جن چیزوں کو قواعدِ عامہ کی فہرست میں شامل کرتے ہیں، وہ ایسی باتیں ہوتی ہیں جو ایک دو، یا تین چار روایات سے مستفاد نہیں ہوتی، بلکہ بیسیوں نصوص اس پر دلالت کر رہی ہوتی ہے اور انہی نصوص کی روشنی میں اس کا استخراج واستنباط کیا جاتا ہے، اب جب کوئی خبرِ واحد ایسے قاعدے کے خلاف آجائے اور گو وہ اسنادی لحاظ سے صحیح یا حسن بھی ثابت ہوجائے تو بھی اس پر عمل کرنے کا مطلب یہی ہے کہ اس ایک روایت کی وجہ سے بیسیوں نصوص کے مقتضا پر عمل کرنا چھوڑ دیا جا رہا ہے۔

اس کے بالمقابل اگر ان قواعدِ عامہ کو مضبوطی سے تھامے رکھا جائے اور خبرِ واحد کو اس کے علاوہ کسی ممکنہ محمل پر حمل کر لیا جائے تو دونوں قسم کے نصوص پر عمل کرنے کی نوبت آجاتی ہے اور حنفیہ عام طور پر ایسا ہی کرتے ہیں، اور اگر کہیں ایسے معارض خبرِ واحد کو بالکل بھی قابلِ احتجاج نہ قرار دیا جائے تو بھی یہ حدیث پر عمل چھوڑنا نہیں ہوگا، بلکہ حدیث کے ثابت ہونے سے انکار کرنا ہے۔

آٹھواں ضابطہ: قیاس سے استنباط واستفادہ

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ متعدد اہلِ علم نے حنفیہ کے متعلق یہ صراحت کی ہے کہ وہ قیاس کے مقابلہ میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنے کے قائل اور اس پر عامل ہیں اور اس کی متعدد مثالیں بھی ذکر فرمائی ہیں، لیکن بظاہر یہ بات اصول کے خلاف معلوم ہوتی ہے اور جن احادیث سے استدلال کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے، ان کا یا تو واحد مستدل ہونا یقینی نہیں ہے اور یا ان کا ضعیف ہونا اتفاقی نہیں ہے، چنانچہ یہ بھی ضابطہ ہے کہ مجتہد کا کسی

حدیث سے استدلال کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث اس کے نزدیک صحیح یا کم از کم حسن لغیرہٖ ہے، کیونکہ اس سے نچلے درجے کی روایت شرعی احکام ومسائل کے ثابت کرنے میں حجت نہیں ہے، جبکہ شرعی قیاس کا حجت ہونا تقریباً تمام اہلِ حق کے نزدیک ایک اتفاقی مسئلہ ہے، لہٰذا ایک اتفاقی حجت کو غیر حجت (ضعیف حدیث) کی خاطر چھوڑنا کہاں درست ہوسکتا ہے؟!

بہر حال حنفیہ کا ضابطہ یہی ہے کہ حدیث ضعیف اور ناقابلِ احتجاج ہو تو قیاس کی طرف جاتے ہیں اور وہیں سے شرعی احکام کا استنباط واستخراج کرتے ہیں، جبکہ بعض محدثین اور منکرینِ قیاس اس بات کی تحقیق میں پڑے بغیر روایت پر عمل کرتے ہیں۔ اس ضابطے کے مطابق بھی حنفیہ کا زیادہ روایات ونصوص پر عمل کرنا ثابت ہوجاتا ہے، کیونکہ خود قیاس کی حجیت بیسیوں نصوص سے ثابت ہے تو ایسے موقع پر قیاس کی طرف جانا اور اصول کی روشنی میں اس کے ذریعے شرعی احکام کا استنباط کرنا ان تمام نصوص پر عمل کرنے کے مترادف ہے جو قیاس کی حجیت پر دلالت کرتے ہیں، جبکہ اس کے بالمقابل اگر روایت کو لیا جائے تو ان روایات پر عمل کرنے کی نوبت نہیں آتی۔

اس اجمالی اور مختصر جائزے سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے اصولِ فقہ کی رو سے زیادہ سے زیادہ احادیث وروایات پر عمل کرنے کی نوبت آجاتی ہے اور ان پر یہ الزام لگانا کسی طرح درست نہیں ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے سمجھنے یا اس پر عمل کرنے کے سلسلے میں قصداً کوتاہی وغفلت کرتے ہیں یا محض اپنی رائے وخیال کی بنیاد پر صحیح احادیث کو بھی رد کردیتے ہیں۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں:

’’وأصحابنا هم المتمسكون بالسنة والرأي في الحقيقة فقد ظهر منهم من تعظيم السّنة ما لم يظهر من غيرهم ممّن يدعي أنه صاحب الحديث، لأنهم جوزوا نسخ الكتاب بالسنة لقوّة درجتها وجوزوا العمل بالمراسيل وقدموا خبر المجهول على القياس وقدموا قول الصّحابيّ على القياس، لأن فيه شبهة السماع من الوجه الّذي قررنا، ثمّ بعد ذٰلك كله عملوا بالقياس الصّحيح وهو المعنى الّذي ظهر أثره بقوته. فأما الشّافعي رحمه الله حين لم يجوز العمل بالمراسيل فقد ترك كثيرا من السّنن وحين لم يقبل رواية المجهول فقد عطل بعض السّنة أيضا وحين لم ير تقليد الواحد من الصّحابة فقد جوز الإعراض عمّا فيه شبهة السماع .. وتبين أن أصحابنا هم القدوة في أحكام الشّرع أصولها وفروعها وأن بفتواهم اتّضح الطّريق للنّاس إلّا أنه بحر عميق لا يسلكه

كل سابح ولا يستجمع شرائطه كل طالب، والله الموفق .‘‘(۳)

ترجمہ: ’’ہمارے ائمہ حنفیہ ہی سنت اور قیاس پر عمل کرنے والے ہیں، کیونکہ جو لوگ احادیث پر عمل کا دعویٰ کرتے ہیں، ان سے زیادہ ہمارے ائمہ حضرات سنت اور احادیث کی قدر کرتے ہیں، کیونکہ ہم ہی بعض آیاتِ قرآن کو حدیث کے ذریعے منسوخ ہونے کے قائل ہیں، مرسل روایات کو قابلِ احتجاج سمجھتے ہیں، مجہول راوی کی روایت کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں، صحابیؓ کے قول کو قیاس پر مقدم جانتے ہیں، کیونکہ اس میں سماع کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم قیاس صحیح کو بھی قابلِ عمل سمجھتے ہیں، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ’’مرسل‘‘ قابلِ احتجاج نہیں، اس قاعدہ کی بنیاد پر بہت سی روایات متروک ہوئیں، نیز مجہول راوی کی روایت معتبر نہ سمجھنے کی وجہ سے بھی بہت سی روایات نا قابلِ عمل رہیں، نیز جب وہ اکیلے صحابیؓ کے قول کو قابلِ تقلید اور حجت نہیں سمجھتے تو ان کے نزدیک بالضرور بعض وہ اقوالِ صحابہؓ جن میں سماع کا شبہ ہو وہ قابلِ احتجاج نہ رہی۔ بہر حال ائمہ حنفیہ ہی اصولی اور فروعی مسائل میں لوگوں کے لیے رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے فتاویٰ سے ہی لوگوں کو دینی رہنمائی ہوتی ہے، البتہ فقہ حنفی کی مثال ایک گہرے سمندر کی ہے جس میں ہر غوطہ زن غوطہ نہیں لگا سکتا اور اس راستے کی شرائط پوری کرنا ہر طالب کا کام نہیں۔‘‘

حضرت مجدد صاحبؒ کی رائے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں، حتیٰ کہ احادیثِ مرسلہ کو احادیثِ مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے ہیں اور ان کو اپنی رائے پر مقدم کرتے ہیں اور ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کو حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی شرفِ صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں، دوسروں کا حال ایسا نہیں ہے، اس کے باوجود بھی مخالفین ان کو صاحبِ رائے کہتے ہیں اور ایسے ایسے الفاظ ان کی جانب منسوب کرتے ہیں جو بے ادبی کی خبر دیتے ہیں۔‘‘(۴)

حضرت شاہ صاحبؒ کا مکاشفہ

حضرت علامہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ’’فیوض الحرمین‘‘ کے مشاہدات میں سے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

’’عرّفني رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أنّ في المذهب الحنفي طريقة أنيقة هي أوفق الطّرق بالسنّة المعروفة التّي جُمعت ونقّحتْ في زمان البخاريّ وأصحابه.‘‘(۵)

ترجمہ: ’’حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سمجھایا کہ مذہبِ حنفی میں ایک ایسا بہتر راستہ موجود ہے جو تمام طرق میں سب سے زیادہ ان احادیث کے موافق ہے جن کی جمع وتدوین امام بخاریؒ اور ان کے اصحاب کے زمانے میں ہوئی تھی۔‘‘(۶)

چند ضروری نکات

ائمہ مجتہدین تو بہت بلند مرتبے کی حامل دیدہ ور شخصیات ہیں، کوئی عام سچا مسلمان بھی یہ اقدام نہیں کرسکتا کہ حدیث سے عناد رکھے یا قصداً کسی حدیث پر عمل کرنا چھوڑ دے، اس لیے ائمہ مجتہدین اور بالخصوص مذاہبِ اربعہ متبوعہ کے مجتہدین سے متعلق یہ تصور کرنا اونچے درجے کی بدگمانی ہے، جس کی اصلاح ضروری ہے۔

بعض اوقات جو اس طرح کی بات سامنے آجاتی ہے کہ مثال کے طور پر کسی مذہب کا کوئی مسئلہ کسی روایت کے ظاہر کے بالکل خلاف اور اس سے واضح طور پر متصادم معلوم ہوجائے تو وہاں بھی جلد بازی سے کام لے کر فیصلہ کرنا بالکل مناسب نہیں ہے، بلکہ درج ذیل نکات کو سامنے رکھ کر انصاف، دیانت داری اور اعتدال کے ساتھ غور وفکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ جس مجتہد نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل نہیں کیا، وہ اس سلسلہ میں بالکل معذور ہے اور اس کی تحقیق واجتہاد سے اگر کسی کا اختلاف بھی ہے تو بھی اس کی وجہ سے اس کو نہ حدیث کا دشمن گردانا درست ہوسکتا ہے اور نہ ہی روایات کے مقابلہ میں اتباعِ ہویٰ کا عادی خیال کرنا جائز ہے۔ وہ نکات یہ ہیں:

پہلا نکتہ

بعض اوقات یہ جو دیکھنے میں آتا ہے کہ ائمہ مجتہدین کسی روایت پر عمل نہیں کرتے تو اس کی مختلف وجوہات واعذار ہوتے ہیں، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک مفید رسالہ رکھا ہے، اس میں ائمہ مجتہدین کے ترکِ عمل بالحدیث کے دس اسباب ذکر فرمائے ہیں، ان دس اعذار کو گنوانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

’’فهٰذه الأسباب العشرة ظاهرة، وفي كثير من الأحاديث يجوز أن يكون للعالم حجة في ترك العمل بالحديث لم نطلع نحن عليها؛ فإن مدارك العلم واسعة ولم نطلع نحن على جميع ما في بواطن العلماء. والعالم قد يبدي حجته وقد لا يبديها، وإذا أبداها فقد تبلغنا وقد لا تبلغنا وإذا بلغتنا فقد ندرك

موضع احتجاجه وقد لا ندركه سواء كانت الحجة صواباً في نفس الأمر أم لا .''(۷)

ترجمہ: ''(کسی روایت پر عمل نہ کرنے اور اسے قابلِ استناد نہ سمجھنے کی) یہ دس ظاہری وجوہات ہیں۔ دیگر بہت سی روایات قابلِ استناد نہ سمجھنے کے بارے میں کسی عالم کے لیے ان کے علاوہ بھی دیگر بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں، جو شاید ہمیں معلوم نہ ہوں، کیونکہ علم کے ذرائع بہت ہیں۔ اور علماء کے دلوں میں جو باتیں ہیں، ہم ان سب پر مطلع نہیں ہوسکتے۔ اہلِ علم بسا اوقات اپنی دلیل کا اظہار کرتے ہیں، بعض دفعہ نہیں، اور جو ذکر کرتے ہیں وہ باتیں کبھی ہم تک صحیح صورت میں پہنچتی ہیں، کبھی نہیں، ان کی جو دلیل ہم تک پہنچے، خواہ وہ دلیل درحقیقت درست ہو یا غلط، کبھی تو ہم اس کی جانچ پڑتال کرسکتے ہیں، بسا اوقات نہیں۔''

معلوم ہوا کہ مجتہد جب بھی اجتہاد کرتا ہے تو شرعی دلائل کی روشنی ہی میں کرتا ہے اور اگر وہ کسی روایت سے استدلال نہیں کرتا یا اس کے خلاف موقف اپناتا ہے تو اس کے پاس بھی کچھ شرعی دلائل ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر وہ اس طرح اقدام کرتا ہے، وہ دلائل اگر کسی دوسرے صاحبِ علم واہلِ اجتہاد کے نزدیک کمزور بھی ہوں تو بھی اس جہاں میں اجتہادی مسائل میں حق وباطل کا یقینی فیصلہ کرنا مشکل ہے، لہٰذا کسی کو ایک ہی موقف کا پابند بنانا حد سے تجاوز اور بابِ اجتہاد کا دروازہ بند کردینے کے مترادف ہے۔

دوسرا نکتہ

حدیث کے حدیث ہونے کا انکار کرنا اور ہے اور حدیث ماننے اور تسلیم کرنے کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا اس سے بالکل مختلف اور الگ چیز ہے۔ اب اگر کوئی مجتہد حدیث پر عمل کرنے کے لیے کچھ شرائط وضوابط مقرر کرتا ہے اور وہ شرائط اس کے اجتہادی ذوق کے مطابق ضروری ہوں اور پھر کوئی حدیث ان ضوابط کے مطابق پایۂ ثبوت کو نہ پہنچے تو اس صورت میں یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ فلاں مجتہد فلاں حدیث پر عمل نہیں کرتا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کے نزدیک وہ نقل پایۂ ثبوت کو نہ پہنچنے کی وجہ سے حدیث ہے ہی نہیں۔

تیسرا نکتہ

کسی بھی مستند عالم کا یہ موقف نہیں ہے کہ جو بھی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرکے کہی جائے، وہ حدیث ہے اور اس پر عمل کرنا بہر حال ضروری ہے، بلکہ محدثین کرام ہوں یا فقہاء عظام، دونوں حضرات کے نزدیک اس کے لیے کچھ شرائط وضوابط مقرر ہیں جن پر جانچ پرکھ کر وہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ فلاں بات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے روایت کی جارہی ہے، وہ واقعۃً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہے یا نہیں؟ اس نوعیت

کی جو شرائط اور ضوابط مقرر کیے گئے ہیں، وہ تمام منصوص نہیں ہیں، بلکہ ہر جماعت کے علمی واجتہادی ذوق کا نتیجہ ہیں اور اس میں اختلاف کا ہونا نہ بعید ہے اور نہ مذموم، لہٰذا جس طرح محدثین کی شرائط پر پورا نہ اُترنے والی روایت پر عمل چھوڑنا حدیث پر عمل نہ کرنے کے مترادف نہیں ہے، یوں ہی فقہاء کرام کو بھی اس بات کا حق حاصل ہے اور ان کے ضابطہ کے مطابق اگر کوئی روایت پایۂ ثبوت واحتجاج تک نہیں پہنچتی تو اس پر عمل نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ حدیث پر عمل نہیں کرتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی خبرِ واحد کا شرائطِ قبول پر پورا نہ اُترنا اور اس کی وجہ سے اس پر عمل نہ کرنا ''ردِ حدیث'' نہیں کہلاتا، جس طرح تواتر کا انکار، قرآنیت کا انکار، قطعیت کا انکار، متواتر، قرآن اور قطعی کا انکار نہیں کہلاتا، یوں ہی ضابطۂ ثبوت پر پورا نہ اُترنے والی روایت پر عمل نہ کرنا حدیث پر عمل نہ کرنے کے مترادف نہیں ہے۔

چوتھا نکتہ

جس طرح ثابت شدہ حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے اور اس میں کوتاہی کرنا روا نہیں ہے، یوں ہی غیر ثابت شدہ نقل کو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھنا اور اس کو شرعی حجت کا درجہ دے کر احکام کا استنباط کرنا بھی نہایت نزاکت کا حامل ہے اور اس میں بھی تغافل برتنا جائز نہیں ہے، دونوں پہلوؤں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

پانچواں نکتہ

یوں تو ہر مسلمان پر حسنِ ظن رکھنے کی تعلیم وہدایت کی گئی ہے اور بلا وجہ کسی مسلمان پر بھی بدگمانی کرنا درست نہیں ہے، لیکن ائمہ مجتہدین اور حضرات اہلِ علم کے ساتھ بالخصوص اس بات کا اہتمام کرنا ضروری ہے، اور مسلمان ہونے کے ناطے اس سے بڑا جرم کیا ہوسکتا ہے کہ حدیث کو حدیث سمجھنے کے باوجود محض اتباعِ ہویٰ جیسے عناصر کی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا جائے یا بلا وجہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کردے، اس لیے اگر کسی مجتہد کا کوئی ایسا اجتہاد سامنے بھی آئے جو بظاہر کسی روایت سے متعارض ہو، تو بھی ان کے بارے میں بدگمانی سے بچنا اور بچتے رہنا ضروری ہے۔

یہ چند باتیں ہیں جن پر اگر انصاف اور دیانت داری کے ساتھ غور وفکر کیا جائے اور عملی طور پر اس کا اچھی طرح اہتمام کیا جائے تو اُمید ہے کہ مفید ثابت ہوں گی اور بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

حواشی وحوالہ جات

۱- یہاں اجمال واختصار کو پیشِ نظر رکھ کر چند اصولی نکات کا ذکر کرنا مقصود ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ علم اصولِ فقہ وحدیث کا کوئی متخصص اس کو مستقل تالیف ومقالہ کا موضوع بنائے اور حنفیہ کے اصولِ اخذ واستنباط کے ساتھ ساتھ محدثین اور دیگر مذاہبِ متبوعہ کے اصول کو

لے کر مقارنہ کیا جائے اور ساتھ ان روایات کا بھی اپنی حد تک استقراء وتتبع کرے جو ان ضوابط پر عمل کرنے کی صورت میں زیرِعمل آجاتے ہیں، تاکہ بات پوری طرح منقح اور صاف ہوجائے۔ البتہ موضوع چونکہ اہمیت کے ساتھ ساتھ نزاکت کا بھی حامل ہے، اس لیے قدم قدم پر پورے ادب واحترام کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہے کہ بحث ومناقشے کے دوران حضرات محدثین کرام اور دیگر ائمہ مجتہدین کی شان میں کوئی نازیبا لفظ سامنے نہ آئے۔

۲- یہاں مکرر یہ عرض ہے کہ اس سے شوافع یا دیگر محدثین پر رد وقدح یا جرح وتعریض کرنا ہرگز مقصود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے رکھے اور ائمہ دین کے ساتھ دل وجان سے ادب کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ وہ حضرات ان روایات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار یا مطعون نہیں ہیں، کیونکہ وہ اپنے اجتہادی ذوق کے مطابق ان جیسے امور کو حدیث سمجھتے ہی نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے جس میں کسی فریق پر رد وقدح کرنا کسی طرح روا نہیں ہے۔

۳- أصول السرخسي: ۲/ ۱۱۳

۴- مکتوبات، دفترِ دوم، مکتوب نمبر: ۵۵

۵- فیوض الحرمین، ص: ۴۸

۶- یہاں اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ بعض مترجمین حضرات نے نہ جانے اس عبارت کا ترجمہ کیوں اس ڈھنگ سے کیا ہے جس کی بدولت عبارت کا اصل مقصود ہی واضح نہیں ہوتا، بلکہ اس کے برعکس مفہوم مترشح ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے فقہ حنفی سے بلاوجہ ایک قسم کا ذہنی یا عملی بعد پیدا ہوجاتا ہے۔

۷- رفع الملام عن الأئمة الأعلام، ص: ۳۵